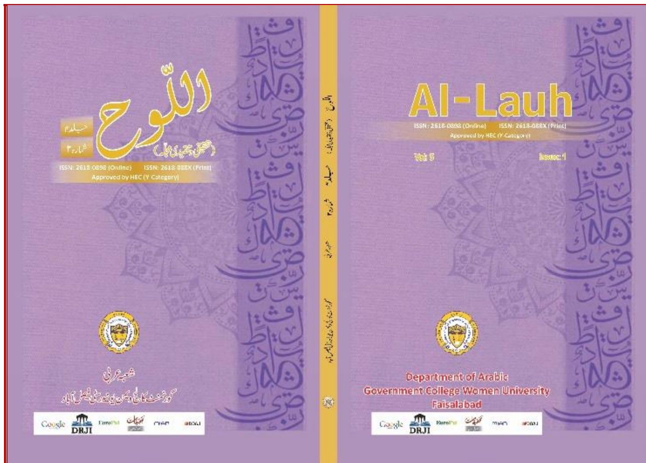

OPEN ACCESS

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

Al-Lauh

Bi-Annual, Trilingual (Arabic, English, Urdu) ISSN: (P) 2618-088X. (E) 2618-0898

Project of **Govt. College Women University Faisalabad,**

Madina Town, Faisalabad, Pakistan.

Website: www.allauh.com

Approved by Higher Education Commission Pakistan

Indexing: Euro Pub, Journal Factor, DOAJ, DRJI, Urdu Jaraid, Asian Research Index

TOPIC

”الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی“کاانتقادی مطالعہ

A Critical Study of Al-Iḥsān fī Taʿqīb al-Itqān li'l-Suyūṭī

AUTHOR

1. Zabih Ullah, M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, Govt. College University, Faisalabad

How to Cite: https://allauh.pk/

https://allauh.pk/index.php/allauh/issue/view/4

Vol. 5, No.1 || January to June 2026 ||

Published online: 30-06-2026

''الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی''کا انتقادی مطالعہ

A Critical Study of Al-Iḥsān fī Taʿqīb al-Itqān li'l-Suyūṭī

ذبیح اللہ[1]

Abstract:
The evaluation and analysis concerning Imām Jalāl al-Dīn al-Suyūṭī, demonstrating that the objections raised against his celebrated work, al-Itqān fī ʿUlūm al-Qurʾān by ʿAllāmah ʿAbd Allāh ibn al-Ṣiddīq al-Ghumārī in his treatise al-Iḥsān fī Taʿaqqub al-Itqān, do not withstand scrutiny when weighed upon the touchstone of rigorous scholarly examination, but rather remain confined to superficial critique and cursory objection. The foundational principle that jarḥ wa taʿdīl (the science of critical evaluation and validation of narrators), within the methodology of the muḥaddithīn, is itself a matter of ijtihād (independent scholarly reasoning), wherein divergence of opinion among the specialists of the discipline is not merely natural but expected, since every muḥaddith renders judgment upon a narration or narrator in the light of his own discernment, his own sources, and his own critical standard. It follows, then, that the mere holding of a divergent opinion by one muḥaddith against another does not, in itself, suffice to establish the error of the latter, unless that divergence is buttressed by firm indicators, substantiated proofs, and credible evidence capable of elevating mere assertion to the rank of certainty.
Measured upon this very scale, when ʿAllāmah al-Ghumārī's most fundamental claim, namely, that certain narrations mentioned in al-Itqān are mawḍūʿ (fabricated) is examined, it is found to remain at the level of bare assertion, for in its support neither was any isnād-based investigation presented, nor any authentic specimen of ʿilm al-rijāl (the science of narrator-criticism), nor any credible testimony of the kind considered by the muḥaddithīn an indispensable precondition for pronouncing the verdict of fabrication upon a narration. It bears remembering that the verdict of waḍʿ (fabrication) is, within the science of ḥadīth, reckoned the gravest and most delicate of judgments, one requiring the clear identification of a break in the chain of transmission, demonstrable proof of the presence of liars and fabricators among the narrators, or such explicit testimony of the text itself as would establish, upon the joint scales of reason and transmitted evidence, the falsity of the narration. Al-Ghumārī's critique, by contrast, falls well short of this exalted standard, failing to establish that proportion between claim and proof which constitutes the very spirit and essential temperament of ḥadīth criticism.The sum of the matter is this: that while fully acknowledging the latitude for divergence of opinion, in keeping with the traditional breadth of temperament shown by the people of learning, the charge of fabrication levelled against al-Itqān proves wholly unfounded and devoid of substantiating proof and thus the scholarly and critical rank of al-Suyūṭī remains, notwithstanding this critique, firmly established, exalted, and unclouded.
Keywords: Jalāl al-Dīn al-Suyūṭī, al-Itqān fī ʿUlūm al-Qurʾān, ʿAbd Allāh ibn al-Ṣiddīq al-Ghumārī, al-Iḥsān fī Taʿaqqub al-Itqān.

امام جلال الدین سیوطی کی عظیم تصنیف ''الاتقان فی علوم القران''علومِ قرآنیہ کے میدان میں ایک بے مثال، عہد ساز اور جامع حیثیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب اپنی وسعتِ مضامین، تنوعِ مباحث، اور علمی گہرائی کے اعتبار سے غیر معمولی ہے۔ امام سیوطی نے اس میں علومُ القرآن کی ممکنہ حد تک جملہ مباحث کو نہایت منظم انداز میں جمع کیا ہے، جن میں اصولِ تفسیر، اَسبابِ نزول، اِعجازِ قرآن، قراءات، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، اور دیگر دقیق ولطیف موضوعات شامل ہیں۔ اس کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے سابقہ مصنفین کی آراء، اقوال، اور تحقیقات کو منظم و یکجا کر کے ایک ایسا علمی ذخیرہ فراہم کیا جو آج تک محققین و طلابِ علم کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ یہ معرکۃالآراکتاب ''الاتقان فی علوم القران''[1] ان چند کتب[2] میں سے ہے جن کو تاریخ ساز کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کیوں کہ اس کتاب نے علوم القران کی تاریخ کو نئے دور میں داخل کر دیا، مگر جیسے کہ عربی میں ایک محاورہ ہے ''من صنّف فقداستہدف''جس نے تصنیف کی اس نے اپنے آپ کو نشانہ وھدف بنا لیا۔ اس محاورے کے مصداق بہت سے مصنفین نے امام جلال الدین سیوطی کی اس کتاب پر تنقیدات لکھی ہیں۔ ان تنقیدات میں سے ایک رسالہ ''الاحسان فی تعقیب الاتقان'' بھی ہے اس رسالہ کے مصنف ابوالفضل عبداللہ بن الصدیق الغماری ہیں۔ آپ کا تعلق غماری خاندان کے ساتھ تھا جو کہ مشہور خاندان ہے[3]۔ یہاں مقصود اس رسالہ کا تنقیدی جائزہ لینا ہے تا کہ یہ بات مبرہن ہو کہ عبداللہ بن صدیق الغماری کی تنقیدات کس حد تک دعوے کے مطابق ہیں۔ یہ جائزہ درج ذیل سات(۷)عناوین پر مشتمل ہے:

1. وجہ تصنیف
2. منہجِ رسالہ
3. امام سیوطی پر اعتراضات
4. تحکیم روایات اور تجزیہ
5. تجریح و تعدیل امر اجتہادی
6. غیر صحیح کا معنی
7. نتائج البحث

ان میں سے پہلے تین کا تعلق اس بات سے ہے کہ ناقد کا نقطۂ نظر اور وجۂ اعتراض کیا ہے، جب کہ باقی چار(4) کا تعلق ان کے جائزہ پر مشتمل ہیں۔

وجہ تصنیف:

حضرت عبداللہ بن صدیق الغماری اس رسالہ کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أنه ضم آراء شاذة وروايات ساقطة، فات المؤلف أن ينبه على شذوذها وسقوطها، فاتخذها المستشرقون وأذنابهم سلماً إلى الطعن في بعض آيات

القرآن الكريم، وفيما يتعلق بجمعه.[4](الى) والمقصود أن الكتاب والأدباء في الشرق العربي والإسلامي، ما من أحد منهم يبدى طعنا في القرآن الكريم أو السنة النبوية وصاحبها، أو في شيء من أحكام الإسلام، باسم البحث العلمي إلا وهو متشبع بكلام بعض المستشرقين مقتنع بآرائهم فالاستشراق نوع مهم من نوعى التبشير المسيحي، أنشئ لغزو عقول الطبقة المثقفة من المسلمين.[5]

اس میں شاذ آراءاور ساقط روایات کو جمع کیا گیا ہے، لیکن مؤلف ان کے شذوذ اور ضعف کی طرف متوجہ نہیں کرتے۔ چنانچہ مستشرقین اور ان کے پیروکاروں نے انہیں قرآنِ کریم کی بعض آیات اور اس کے جمع وتدوین پر طعن و تشکیک کا ذریعہ بنالیا۔ حتیٰ کہ عربی و اسلامی مشرق کے مصنفین اور ادباء میں سے کوئی بھی شخص جب قرآنِ کریم، سنتِ نبوی ﷺ، یا ان کے حامل (رسول اللہ ﷺ) یا احکامِ اسلام میں سے کسی چیز پر ''علمی تحقیق'' کے نام پر طعن کرتا ہے، تو وہ دراصل مستشرقین کے اقوال سے متاثر اور ان کے نظریات کا قائل ہوتا ہے۔ درحقیقت استشراق عیسائی تبلیغ کی دو اقسام میں سے ایک اہم قسم ہے، جسے مسلمانوں کی تعلیم یافتہ طبقے کی ذہنوں کو مسخر کرنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

مقدمہ کا اختتام فرماتے ہوئے لکھتے کہ :

لهذا أردنا أن نسهم فى هذا الواجب المقدس، ببيان ما في كتاب الإتقان من روايات واهية موضوعة، وأقوال ساقطة مرفوعة، غفل المؤلف عن فحصها ومحصها، ليعلم أن دليلهم الذي يستندون إليه، اجتمع فيه الخستان، فلم يكن له نتيجة سوى الهزر والهذيان۔[6]

اسی لیے ہم نے اس مقدس فرض میں حصہ لینے کا ارادہ کیا ہے کہ کتاب ''الاتقان'' میں جو من گھڑت روایات، اور ناقابلِ اعتبار اقوال درج ہیں، جن کی تحقیق و تنقید سے مؤلف نے غفلت برتی، انہیں واضح کیا جائے، تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ جن دلائل پر وہ (مستشرقین) اعتماد کرتے ہیں، وہ دراصل باطل اور بے بنیاد امور کا مجموعہ ہیں، جن کا انجام محض لغو اور بے معنی باتوں کے سوا کچھ نہیں۔

گویا مصنف کو اس رسالہ لکھنے پر جس بات نے برآنگیختہ کیا وہ مستشرقین کا الاتقان فی علوم القران سے روایات کو لے کر اعتراض کرنا ہے۔ مزید یہ بھی کہ وہ روایات بقول ناقد موضوع، من گھڑت و بے اصل ہیں، لہذا ان پر تحقیق کرنا ضروری ہے۔

(روایات کی استنادی حثیت پر آگے بات آئے گی) سوال تو یہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ کیا مستشرقین نے صرف اس کتاب سے روایات کو لیا ہے؟ روایات تو روایات کون سا اسلام کا پہلو ہے جس پر انہوں نے بے سروپا اعتراضات نہیں کیے؟ چاہے وہ ذات حسنِ تمام ﷺ ہو، اسلام کا قانونی پہلو ہو، قران ہو یا حدیث۔

دراصل مستشرقین کا ہدف اور مقصد ہی تشکیک پیدا کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے ان سے جو بن پڑے وہ کرتے ہیں۔ لہذا مصنفین کو اس پہلو پر سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیسے مستشرقین کے ساتھ معاملہ کیا جائے اور اسلام پر حرف سوال بھی

نہ ہو۔ اگر اس ڈگر پر چل پڑے تو اسلاف میں سے کوئی نام ور و قابل ذکر شخصیت تیرِ تنقید سے محفوظ نہیں رہے گی اور نہ ہی مستشرقین کے اعتراضات کا سلسلہ بند ہو گا۔

امام سیوطی پر اعتراض:

ناقد نے رسالہ کے مقدمہ میں جن وجوہات کو بنیاد بنا کر امام سیوطی پر اعتراضات کئے ہیں، ان اعتراضات کو ناقد کی زبانی ہی ملاحظہ فرمائیں:

لكن يعاب عليه ذكره الأحاديث واهية، أو أقوال ساقطة تنسب لصحابي أو تابعي أو إمام ولا ينبه عليها، فيظنها الجاهل صحيحة ويتخذها الجاحد حجة للطعن والغمز، وإن اعتذر معتذرون عن الطبراني وأبي الشيخ وأبي نعيم فى روايتهم للأحاديث الموضوعة غير مبينين وضعها، بأنهم حيث ذكروا إسنادها أحالوا عليه وبرئوا من عهدتها فكيف يعتذر عن السيوطى وهو لا يذكر الإسناد بل هو ملزم ببيان رتبة ما يذكره من أحاديث وآثار، لأن من حذف الإسناد، تعهد بالصحة. لا نجد ما يعتذر به عنه إلا من قبيل السهو والغفلة، أو أنه قدر فى نفسه أن قراء كتبه لابد أن يكون عندهم من العلم ما يميزون به بين الثابت والواهى وبين الصحيح والساقط. أما أن يكون قصده فلا، لأن دينه وخلقه لا يسمحان به، يضاف إلى ذلك أنه صوفي شاذلى أفيضت عليه فتوحات ومواهب لا يحظى بها من يعتمد ترويج الأحاديث والآثار المكذوبة، لأن مروج الكذب مبغض مطرود۔[7]

البتہ اُن پر یہ امر قابلِ تنقید ہے کہ وہ بعض ایسے اقوال ساقطہ ذکر کرتے ہیں جو کسی صحابی، تابعی یا امام کی طرف منسوب ہیں، مگر ان کی ضعف یا عدمِ صحت پر کوئی تنبیہ نہیں فرماتے۔ نتیجتاً جاہل شخص انہیں صحیح سمجھ لیتا ہے[8]، اور منکر و معاند ان روایات کو طعن و تشکیک کا ذریعہ بناتا ہے۔ اگرچہ بعض معذرت خواہان نے طبرانی، ابو شیخ اور ابو نعیم کے بارے میں یہ توجیہ پیش کی ہے کہ انہوں نے من گھڑت احادیث روایت کیں مگر ان کے ضعف کی وضاحت نہیں کی۔ ان (محدثین) کے بارے میں یہ عذر پیش کیا جاتا ہے کہ جب انہوں نے من گھڑت روایات ذکر کیں تو ان کے اسناد[9] بیان کر کے گویا ذمہ داری سے بری الذمہ ہو گئے، کیونکہ سند کا ذکر دراصل حوالہ کو اس کے ماخذ کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ لیکن امام سیوطی کے بارے میں یہ عذر بھی قابلِ قبول نہیں، اس لیے کہ وہ اکثر روایات بلا سند نقل کرتے ہیں۔ لہذا وہ اس بات کے پابند ہیں کہ جو احادیث و آثار ذکر کریں، ان کا رتبہ (سندی حثیت) واضح کریں، کیونکہ جو شخص سند حذف کرتا ہے، وہ صحت کی ضمانت کا التزام کرتا ہے۔ ہم ان کے بارے میں کوئی ایسا عذر نہیں پاتے جسے درست قرار دیا جا سکے، سوائے اس کے کہ اسے سہو یا غفلت پر محمول کیا جائے، یا یہ کہا جائے کہ انہوں نے اپنے ذہن میں یہ فرض کر لیا تھا کہ ان کی کتابوں کے قارئین ایسے اہلِ علم ہوں گے جو ثابت و غیر ثابت، صحیح و

ضعیف،اور معتبر و مردود روایات میں تمییز کر سکیں گے۔البتہ یہ کہنا کہ یہ ان کا ارادہ و مقصد تھا، درست نہیں، کیونکہ ان کا دین واخلاق اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ صوفی شاذلی تھے، جن پر روحانی فتوحات اور ربانی عطیات کا فیضان ہوا اور ایسے شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ جھوٹی احادیث و آثار کے فروغ پر اعتماد کرے، کیونکہ جھوٹ کے پھیلانے والا شخص مبغوض و مردود ہوتا ہے۔

ناقد نے مصنف پر بنیادی طور پر چار اعتراضات کئے ہیں:

1. امام سیوطی بے سند روایات نقل کرتے ہیں۔
2. ان پر تحکیم بھی نہیں کرتے۔
3. روایات شاذہ اور موضوعہ بیان کرتے ہیں۔
4. سند کا حذف کرنا صحت روایت کا دعوی ہوتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی سند کے حذف کرنے میں پہلے نہیں ہیں اور نہ ہی آخری۔آپ سے پہلے کئی محدثین نے کئی کتب احادیث تصنیف فرمائیں، ان میں سے ایسی کتب بھی شامل ہیں جو متداول ہیں۔ان میں سند کا اہتمام نہیں کیا گیا جس میں مشکاۃ المصابیح اور اسی طرح المصابیح جو کہ متن تھا اور کتاب ریاض الصالحین ہیں۔ان ہر دو کتابوں میں مصنفین نے اسانید کو حذف کیا اور ان پر حکم بھی نہیں لگایا۔تاہم وہ اصل مصادر کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں یا اپنا منہج بیان کر دیتے ہیں جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کی روایات کا مصدر کیا ہے۔یہی منہج امام جلال الدین سیوطی کا بھی ہے کہ وہ جب بھی کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو روایت کرنے میں اپنا مصدر واضح کر دیتے ہیں اور کئی مقامات پر روایت پر حکم بھی لگاتے ہیں۔جہاں تک روایت کے شاذہ اور موضوعہ ہونے کا تعلق ہے تو یہ ایک اجتہادی امر ہے۔ممکن ہے کہ ایک شخص کے نزدیک ایک روایت صحیح نہ ہو اور دوسرے کے نزدیک ہو۔تاہم اس پر جو عبداللہ غماری نے روایات کو ذکر کیا ہے ان کا جائزہ آگے چل کر لیں گے سردست اتنا عرض ہے کہ سند کا حذف کر دینا صحت روایت کی دلیل یا ضمانت ہر گز نہیں ہوتا۔ہاں اگر مصنف یہ دعوی کرے کہ اس میں روایت کردہ تمام روایات سنداً صحیح ہیں تو الگ بات ہے کہ وہ حکم نہ لگائے مگر اس کے نزدیک وہ روایات درجہ صحت کو پہنچتی ہوں۔اگر کوئی شخص یہ دعوی نہیں کرتا تو اس سے ہر گز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سند کا حذف کرنا دعوی صحت ہے مزید برآں امام جلال الدین سیوطی اپنا منہج واضح کرتے ہوئے الاتقان کے مقدمہ میں یہ بات لکھتے ہیں کہ ان کا منہج اس موضوع پر ایک نوع کے بارے میں موجود دستیاب روایات کو ایک جگہ پر جمع کرنا ہے۔امام سیوطی فرماتے کہ:

> ثم خطر لي بعد ذلك أن أؤلف كتاباً مبسوطاً، ومجموعاً مضبوطاً، أسلك فيه طريق الإحصاء، وأمشي فيه على منهاج الاستقصاء. هذا كله وأنا أظن

أني متفرد بذلك، غير مسبوق بالخوض في هذه المسالك، فبينا أنا أجيل في ذلك فكراً، أقدم رجلاً وأؤخر أُخرى۔[10]

پھر اس کے بعد میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں ایک مفصل اور منضبط کتاب تصنیف کروں، جس میں میں طرزِ احصاء (گنتی و شمار) کو اختیار کروں اور اس میں استقصاء (پوری تحقیق و استیعاب) کے طریقے پر گامزن رہوں۔ یہ سب کچھ اس حال میں تھا کہ میں یہ گمان کرتا تھا کہ میں اس راہ میں منفرد ہوں، اور کوئی مجھ سے پہلے ان وادیوں میں قدم نہیں رکھ چکا۔ اسی دوران جب میں اس خیال میں غور و فکر کر رہا تھا، ایک قدم آگے بڑھاتا اور دوسرا پیچھے ہٹاتا رہا۔

دلچسپ امر یہ ہے کہ خود ناقد کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ امام جلال الدین سیوطی کا منہج روایات کی صحت کا التزام نہیں ہے۔

یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:

فإن كتاب الإتقان في علوم القرآن للإمام الحافظ أبي الفضل جلال الدين السيوطي - رحمه الله تعالى ورضى عنه - كتاب عظيم المزايا كثير الفوائد جمع ما تفرق فى كتب هذا العلم، من عيون المسائل، ونوادر الشوادر[11]

بیشک امام حافظ ابو الفضل جلال الدین سیوطی کی تصنیف کردہ الاتقان فی علوم القرآن ایک نہایت بلند پایہ اور فوائد سے لبریز کتاب ہے۔ اس میں انہوں نے علوم قرآن کی مختلف کتب میں بکھری ہوئی قیمتی مباحث اور نادر و لطیف مسائل کو یکجا کر دیا ہے۔

مذکورہ بالا دو اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امام جلال الدین سیوطی اس موضوع پر موجود اور دستیاب کتب سے روایات کا استیعاب کرنا چاہتے تھے اور روایات پر حکم لگانا یا ان کی جرح و تعدیل کرنا یا تصحیح و تضعیف کے وہ درپے نہیں تھے۔ اس مسئلہ کو انہوں نے بعد کے علماء کے لیے ترک کر دیا کہ اس کی چھان پھٹک کر کے دیکھ لیں جو روایات قابل قبول ہوں ان کو قبول کر لیں اور جو روایات درجہ صحت کو نہیں پہنچتی ان کو ترک کر دیا جائے۔ تاہم اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ امام سیوطی نے موضوع روایات نقل کی ہیں بلکہ انہوں نے خود اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس کتاب میں موضوعات کو ترک کر دیا گیا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

فهذا ما حضرني من التفاسير المرفوعة المصرح برفعها، وصحيحها وحسنها، ضعيفها ومرسلها ومعضلها، ولم أعول على الموضوعات والأباطيل۔[12]

یہ وہ تفسیری اقوایل ہیں جو میرے ذہن میں آئیں، جو مرفوع ہیں، اور تصریحاً رفع ثابت ہے، جن میں صحیح اور حسن، ضعیف اور مرسل اور معضل شامل ہیں، تاہم میں نے موضوع اور باطل روایات پر کوئی اعتماد نہیں کیا۔

منہج رسالہ:

یہ رسالہ کل 64 صفحات پر مشتمل ہے جس کے شروع میں تقریبا 10 صفحات کا مقدمہ ہے 63 اور 64 صفحات پر فہرست 13 صفحات سے 62 صفحات تک رسالے کے مندرجات ہیں۔ اس رسالہ کا منہج یہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی کی قائم کردہ انواع میں سے ایک نوع لکھتے ہیں پھر اس نوع کے ضمن میں امام جلال الدین سیوطی کی پیش کردہ/وارد کردہ روایت کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اس پر حکم لگاتے ہیں جس کی مثال ملاحظہ فرمائیں:

> قال: وأخرج ابن المبارك في الزهد والطبراني والبيهقي في البعث عن عمران ابن حصين وأبى هريرة قالا : سئل رسول الله عن هذه الآية : وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ[13] . الحديث. قلت: هو حديث ضعيف، لم ينبه عليه المؤلف.[14]
>
> (امام سیوطی نے) کہا کہ ابن المبارک نے الزہد میں، طبرانی نے، اور بیہقی نے البعث میں عمران بن حصین اور ابو ہریرہ سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ سے اس آیت: وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ کے بارے میں پوچھا گیا۔ میں (مصنف عبداللہ الغماری) کہتا ہوں: یہ حدیث ضعیف ہے، اور مصنف نے اس پر تنبیہ نہیں کی۔

روایات پر تحکیم اور تجزیہ:

جن روایات پر عبداللہ الغماری نے کلام کیا ہے۔ یہ یاد رہے مصنف کا دعوی ہے کہ امام جلال الدین سیوطی نے روایات موضوعہ اور شاذہ کو لیا ہے۔ اس رسالے میں کل 24 مقامات پر مختلف اقوال اور روایات کو لے کر ان پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ان کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یہ ہے:

- تیرہ روایات کو ''غیر صحیح[15]، لم یصحیح، لا یصیح، لیس بصحیح، لایعتمد، لیس علی شرط الصحیح'' کا حکم لگایا ہے۔
- نو روایات کو ضعیف کہا ہے۔[16] جن میں سے ایک روایت کے بارے میں لکھا کہ امام ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا۔[17]
- ایک روایت پر معلل ہونے کا حکم لگایا اور ساتھ میں یہ بھی بیان کیا کہ اس کو امام ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔[18]
- ایک روایت کو شاذ قرار دیا۔[19]
- ایک روایت اس کو ضعیف قرار دیا لیکن ساتھ میں لکھا کہ وہ موضوع ہو سکتی ہے۔[20]

یہ جائزہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ ان کا دعوی یہ تھا کہ روایات واہیہ و موضوعات ہیں، مگر جن حکم لگایا تو فقط ایک روایت کے بارے کہا کہ ممکن ہو وہ موضوع ہو۔ لہذا ان کے دعوی کی قلعی تو یہیں کھل جاتی ہے۔

تجریح و تعدیل اجتہادی امر:

ان روایات کی سندی حیثیت کیا ہے۔اس مقصد کے لئے یہ امر جاننا لازم ہے کہ تجریح و تعدیل ایک اجتہادی امر ہے۔ جیسے فقہاء استنباطِ مسائل میں اجتہاد سے کام لیتے ہیں اسی طرح اسماء ورجال کے ماہرین بھی رواۃ اور روایات کے بارے میں اپنی معلومات کی بنیاد پر اجتہاد کرتے ہیں۔اس بنا پر کسی راوی یا روایت کی حیثیت کے حوالے سے اختلاف ہونا یہ ایک فطری بلکہ لابدی ہے۔اس پر چند آئمۂ اسماء ورجال کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

امام شمس الدین ذہبی فرماتے کہ:

يحيى بن معين، وقد سأله عن الرجال عباس الدوري، وعثمان الدارمي، وأبو حاتم، وطائفة، وأجاب كل واحد منهم بحسب اجتهاده و من ثم اختلفت آراؤه وعباراته في بعض الرجال، كما اختلفت اجتهادات الفقهاء المجتهدين، وصارت لهم في المسألة أقوال۔[21]

امام یحییٰ بن معین سے رواۃ حدیث کے متعلق عباس الدوری ،عثمان الدارمی ،ابو حاتم اور ایک جماعت نے سوالات کیے،اور امام یحییٰ بن معین نے ہر ایک کے جواب میں اپنی اجتہادی بصیرت کے مطابق ارشاد فرمایا۔ بعد ازاں بعض رواۃ کے بارے میں ان کی آراء اور تعبیرات میں اختلاف پایا گیا، جیسا کہ مجتہد فقہاء کے اجتہادات میں اختلاف پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک ہی مسئلہ میں ان کے متعدد اقوال منقول ہوئے۔

امام سخاوی تحریر فرماتے ہیں:

يحيى بن معين، وقد سأله عن الرجال غير واحد من الحفاظ، ومن ثم اختلفت آراؤه وعباراته في بعض الرجال، كما اختلف اجتهاد الفقهاء، وصارت لهم الأقوال والوجوه، فاجتهدوا في المسائل، كما اجتهد ابن معين في الرجال۔[22]

امام یحییٰ بن معین سے متعدد محدثینِ حفاظ نے رواۃ حدیث کے بارے میں سوالات کیے، چنانچہ بعض رواۃ کے متعلق ان کی آراء اور تعبیرات میں اختلاف پایا گیا۔ یہ اختلاف ویسا ہی ہے جیسا کہ فقہاء کے اجتہادات میں پایا جاتا ہے، جن کے نتیجے میں ان کے مختلف اقوال اور وجوہ ظاہر ہوئے۔ پس جس طرح فقہاء نے فقہی مسائل میں اجتہاد کیا، اسی طرح ابنِ معین نے رواۃ حدیث کے بارے میں اجتہاد فرمایا۔

اسی طرح امام سخاوی ایک اور مقام پر لکھتے کہ:

الحافظان الحجتان : يحيى بن سعيد القطان وابنُ مَهْدِي . فمن جرحاه لا يكادُ يَنْدَمِل جرحه، ومن وثقاه فهو المقبول، ومن اختلفا فيه وذلك قليل اجتهد في أمره[23]

دو جلیل القدر حافظ اور حجت ،یحییٰ بن سعید القطان اور عبدالرحمن بن مہدی یہ جن رواۃ پر جرح کریں، ان کا زخم شفا نہیں پاتا (یعنی ان کی تضعیف قطعی مانی جاتی ہے)، اور جنہیں یہ دونوں ثقہ قرار دیں، وہی راوی مقبول ہوتا ہے۔ جن کے بارے میں ان دونوں کے مابین اختلاف ہوا گرچہ یہ بہت کم ہوتا ہے، تو ایسے راوی کے معاملے میں اجتہاد کیا جاتا ہے۔

حافظ امام ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب لسان المیزان کے مقدمہ میں فرماتے کہ :

فأقام الله طائفة كثيرة من هذه الأمة للذب عن سنة نبيه صلى الله عليه وسلم، فتكلموا في الرواة على قصد النصيحة ولم يعدُّوا ذلك من الغيبة المذمومة، بل كان واجباً ذلك عليهم وجوب كفاية . ثم ألف الحفاظ في أسماء المجروحين كتباً كثيرة، كل منهم على مبلغ علمه، ومقدار ما وصل إليه اجتهاده۔[24]

اللہ تعالیٰ نے اس امت میں ایک بڑی جماعت کو اپنے نبی ﷺ کی سنت کے دفاع کے لیے قائم فرمایا۔ انہوں نے رواۃِ حدیث کے بارے میں نصیحت کے ارادے سے گفتگو کی، اور اسے غیبتِ مذمومہ میں شمار نہیں کیا، بلکہ اسے اپنے اوپر فرضِ کفایہ کے درجے میں واجب سمجھا۔ پھر حفاظِ حدیث نے مجروح رواۃ کے ناموں پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، ہر ایک نے اپنی علمی استعداد اور اپنے اجتہاد کی حد تک اس کام کو انجام دیا۔

امام ذہبی اپنی مشہور کتاب ''الموقظہ فی علم مصطلح الحدیث'' میں مراتب رجال پر بات کرتے ہوئے فرماتے کہ :

هذا الدين مؤيد محفوظ من الله تعالى، لم يجتمع علماؤه على ضلالة، لا عمداً ولا خطأ، فلا يجتمع اثنان على توثيق ضعيف، ولا على تضعيف ثقة وإنما يقع اختلافهم في مراتب القوة أو مراتب الضعف والحاكم منهم يتكلم بحسب اجتهاده وقوة معارفه، فإن قدر خطؤه في نقده فله أجر واحد، والله الموفق۔[25]

یہ دین، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید یافتہ اور محفوظ ہے۔ اس کے علماء کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوتے، نہ عمداً اور نہ خطاً۔ چنانچہ وہ کسی ضعیف راوی کو متفقہ طور پر ثقہ نہیں قرار دیتے، اور نہ کسی ثقہ راوی کو متفقہ طور پر ضعیف ٹھہراتے ہیں۔ بلکہ ان کے درمیان اختلاف صرف قوت یا ضعف کے درجوں میں ہوتا ہے۔ اور ان میں سے ہر ناقد اپنے اجتہاد اور معرفت کی قوت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ پس اگر وہ اپنے نقد میں خطا کر جائے، تو اسے ایک اجر ملتا ہے، اور توفیق اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

ان تصریحات وا قاویل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روایات و رواۃ پر حکم لگانا، درجہ کا تعین کرنا ایک اجتہادی امر ہے۔ ہر محدث اپنی بصیرتِ حدیث اور معرفتِ رواۃ کی بنیاد پر اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ لہٰذا اختلاف محدثین بھی اختلاف فقہاء کی طرح ہے، اور اختلاف نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے۔ مزید برآں یہ امر اسی طرح لائق اجر و ثواب ہے جیسے فقہاء کا اجتہاد۔

غیر صحیح کا معنی:

کتب علوم الحدیث اور آئمہ جب یہ الفاظ، غیر صحیح،لم یصحیح،لا یصیح،لیس بصحیح،، لیس علی شرط الصحیح فرمائیں تو اس کا معنی موضوع یا غلط ہونا ہر گز نہیں ہوتا بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہوتا ہے کہ وہ سند مقرر کردہ شرط پر پوری نہیں اترتی لہذا اس کو غیر الصحیح کہہ دیا جاتا ہے۔اس کا مطلب ہے کہ وہ روایت صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ یا ضعیف کی کوئی بھی مقبول یا مردود قسم ہو سکتی۔اس پر آئمہ کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

امام ابن الصلاح لکھتے ہیں:

وكذلك إذا قالوا في حديث إنه غير صحيح فليس ذلك قطعا بأنه كذب في نفس الأمر، إذ قد يكون صدقا في نفس الأمر، وإنما المراد به أنه لم يصح إسناده على الشرط المذكور۔[26]

اسی طرح جب وہ کسی حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ ''غیر صحیح''،تو اس کا یہ مطلب قطعی طور پر نہیں ہوتا کہ وہ حدیث فی نفس الامر جھوٹی ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ حقیقت میں درست ہو بلکہ اس سے مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس کی سند اس مخصوص شرط کے مطابق صحیح نہیں ہوئی

امام نووی لکھتے:

وإذا قيل غير صحيح فمعناه لم يصح إسناده۔[27]

اور جب کہا جائے ''غیر صحیح''تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی سند صحیح نہیں (نہ یہ کہ باطل ہے)۔

امام سیوطی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے:

(وإذا قيل): هذا حديث غير صحيح) لو قال ضعيف لكان أخصر وأسلم من دخول الحسن فيه فمعناه لم يصح إسناده على الشرط المذكور، لا أنه كذب في نفس الأمر[28]

اور جب کہا جائے ''یہ حدیث غیر صحیح ہے''، تو اگر یہ کہا جائے ''ضعیف'' ہے تو یہ تعبیر زیادہ جامع اور زیادہ محفوظ ہے، تاکہ حسن حدیث اس میں شامل نہ ہو۔اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سند مذکورہ شرط کے مطابق صحیح ثابت نہیں ہوئی، نہ یہ کہ حدیث فی نفسِ الامر جھوٹی ہے۔

مذکورہ قول پر کلام کرتے ہوئے، علامہ احمد بن احمد العجمی فرماتے ہیں کہ:

قولهم هذا الحديث غير صحيح أكثر من أنه لم يصح له إسناد على الشرط المذكور، وهذا كذلك، لأن هذا الكلام لا يظهر من معناه أنه كذب في نفس الأمر، ومهما أردنا أن نذكر أنه كذب في نفس الأمر : احتجنا إلى زيادة لفظ، مثل أن يقول : هو موضوع أو كذب، أو نحو ذلك۔[29]

محدثین کا قول ''یہ حدیث غیر صحیح ہے'' دراصل اس بات سے زیادہ کچھ نہیں کہ اس کی سند مذکورہ شرط کے مطابق صحیح ثابت نہیں ہوئی۔اور یہی مفہوم یہاں بھی مراد ہے، کیوں کہ اس جملے سے بظاہر یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ حدیث فی نفسِ الامر جھوٹی ہے۔اور جب ہم یہ بیان کرناچاہیں کہ حدیث حقیقتاً جھوٹی ہے، تو ہمیں مزید الفاظ کا اضافہ کرناپڑتاہے، جیسے یہ کہناکہ ''یہ موضوع ہے'' یا''یہ جھوٹ ہے'' یااس جیسا کوئی اور لفظ۔

علوم الحدیث کے ماہرین کی ان تحریرات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ غیرُ صحیح کا مطلب ہر گز موضوع ہونا نہیں ہوتا۔ماہرین علومُ الحدیث جب غیر صحیح کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد یہ ہوتاہے کہ اس مصنف کے نزدیک جو معیارِ صحتِ حدیث متعین ہے یہ سند اس معیارِ صحتِ حدیث کے پر نہیں اترتی تو وہ غیرُ صحیح کہہ دیتے ہیں۔تاہم غیر صحیح ہونے کا مطلب موضوع ہوناہر گز نہیں نہ صرف یہ کہ موضوع ہونامراد نہیں بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے ضعیف ہونا بھی مراد نہ ہو کیونکہ غیرُ صحیح کے اندر تو حدیث کا حسن ہونا بھی ثابت ہوتاہے۔ناقد کا چوں کہ دعوی یہ ہے کہ روایات موضوعہ ہیں لہذا یہ دلائل ان کے دعوے کے مطابق نہیں ہے۔اس بحث سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

- حضرت عبداللہ صدیق الغماری کا دعوی یہ ہے کہ مصنف نے موضوع روایات نقل کی ہیں جبکہ امام سیوطی فرماتے کہ میں نے الاتقان فی علوم القران میں موضوع روایات سے اجتناب برتاہے۔
- امام سیوطی پر یہ اعتراض بھی درست نہیں کہ آپ نے روایات پر حکم نہیں لگایا۔ درج ذیل صفحات ملاحظہ فرمائیں۔[30]
- الاحسان فی تعقیب الاتقان کے بغور مطالعہ اوراس پر عبداللہ صدیق الغماری کی تحکیم کو مد نظر رکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی ایک بھی روایت ایسی نہیں جس پر موضوع ہونے کا قطعیت کے ساتھ حکم لگایا جاسکے یا لگایا گیاہو۔
- جن روایات پر کلام کیا گیاہے ان میں سے 13 روایات ایسی ہیں کہ جو صحیح درجے سے کم اور موضوع سے اوپر، حسن لذاتہ حسن لغیرہ یاضعیف کے دائرے میں آتی ہیں۔
- دو روایات کو امام ترمذی ،اور امام ابن حبان نے تصحیح فرمائی ہے۔ ممکن ہے کہ ان روایات کو اعتماداً نقل کیا گیا ہو، واقعتاًاس کا شاہد موجود ہو۔
- یہ بھی اہم بات ہے کہ اتنی ضخیم کتاب میں سے 24 روایات پر ہی کلام کیا گیاہے۔جو بذاتِ خود اس کتاب کی ثقاہت کی دلیل ہے۔کیوں کہ اتنی روایات پر کلام ہونا یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔طالبِ علم حدیث پر اس کی وجہ واضح ہے۔

- اس سے واضح ہوتا ہے وہ یہ کہ جن روایات پر حضرت عبداللہ صدیق الغماری نے ضعیف ہونے کا حکم لگایا ہے ان میں سے بہت ساری ایسی روایات ہیں جو کہ ضعیف کی اس قسم میں آتی ہوں جو قبول توضیحاً، تشریحاًاور مشروط و معلوم مواقع پر قبول ہوتی ہیں، کیوں کہ تعدیل و تجریح اجتہادی امر ہے جس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ لہذا اس بنیاد پر امام سیوطی پر اعتراض کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ ممکن ہے ان کے پاس کوئی شاہد و تابع موجود ہو۔
- جب امام سیوطی نے خود ہی یہ دعوی نہیں کیا کہ میں اس میں صرف صحیح روایات کو ہی نقل کروں گا تو پھر اس بنیاد پر ان پر تنقید کرنا اور ان کی ان کا تعاقب کرنا یہ کیسے روا ہو سکتا ہے
- ناقد نے وجہ تصنیف اور مقدمہ میں جن لوگوں (مستشرقین) کی بنیاد پر روایات پر تنقید اور الاتقان کا تعاقب کیا ہے یہ بات واضح ہے کہ اگر یہ روایات الاتقان میں نہ ہوں تب بھی مصنف کے الفاظ میں ان کی خبیث طبیعت، اسلام، پیغمبر اسلام اور تعلیمات اسلام کے پر تنقید سے کبھی بھی گریز نہیں ہوں گی لہذا ان مستشرقین کے اعتراضات کا جواب اس طرز پر دینا کہ اپنے اسلاف پر تنقید شروع کر دی جائے یہ کسی صورت بھی قابل تحسین عمل نہیں ہے۔ یہ دفاعی انداز کار گر نہیں ہو گا۔
- اس بحث کو ناقد کے قول پر ہی ختم کرتے ہیں:

  أما أن يكون قصده فلا، لأن دينه وخلقه لا يسمحان به، يضاف إلى ذلك أنه صوفي شاذلي أفيضت عليه فتوحات ومواهب لا يحظى بها من يعتمد ترويج الأحاديث والآثار المكذوبة، لأن مروج الكذب مبغض مطرود۔[31]

  البتہ یہ کہنا کہ یہ ان کا ارادہ و مقصد تھا، درست نہیں، کیونکہ ان کا دین و اخلاق اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔ اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ وہ صوفی[32] شاذلی تھے، جن پر روحانی فتوحات اور ربانی عطیات کا فیضان ہوا اور ایسے شخص کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ جھوٹی احادیث و آثار کے فروغ پر اعتماد کرے، کیونکہ جھوٹ کے پھیلانے والا شخص مبغوض و مردود ہوتا ہے۔

  لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ صاحبِ حال و صاحب واردات صوفی بے اصل و بے بنیاد و موضوع روایات کو نقل کرے، خاص طور امام سیوطی جیسے صاحب علم و فن، اور صاحب عرفان و ایقان سے یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی۔[33]

مصادر و مراجع

[1]۔کتاب کے مقام و مرتبہ اور اہمیت کے لئے مقدمہ ملاحظہ فرمائیں۔ سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین،الاتقان فی علوم القرآن، محقق: فواز احمد زمرلی، بیروت: دار الکتاب العربی، 2011ء، ص6۔

[2]۔ Hasan, M., & Abbas, H. (2020). Al Jamalain Hashia Alal Jalalain by Mulla Ali Qari: Style, Methodology &Comparative analysis: الجمالین حاشیہ علی الجلالین لملا علی قاری، منہج و اسلوب و تقابلی جائزہ. The Islamic Culture "As-Saqafat-Ul Islamia" الثقافۃ الإسلامیۃ - Research Journal - Sheikh Zayed Islamic Centre, University of Karachi, 43(43).

[3]۔ مزید تعارف کے ملاحظہ فرمائیں: حمادہ، الدکتور فاروق، عبد اللہ بن الصدیق الغماری الحافظ الناقد، دار القلم :دمشق، الطبعۃ الاولی 2006ء۔

[4]۔ غماری، ابی الفضل عبداللہ بن صدیق، الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی، مکتبۃ القاہرہ، مصر، الطبعۃ الثالثۃ، 2016ء ص3۔

[5]۔ غماری، ابی الفضل عبداللہ بن صدیق، الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی، ص9۔

[6]۔ غماری، ابی الفضل عبداللہ بن صدیق، الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی، ص12۔

[7]۔ غماری، ابی الفضل عبداللہ بن صدیق، الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی، ص4-5۔

[8]۔ روایات کی استنادی حثیت اور صحت وضعف پر کلام کرنا کسی ''جاہل'' شخص کا کام ہی کیا ہے؟ ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامے دارد۔

[9]۔ Saira Mehwash, & Prof. Dr Humayun Abbas Shams. (2026). The Applications of the Principles of Ḥadīth and the Criticism of Sīrah Narrations. Journal of Religion and Society, 5(01), 413–425.

[10]۔ سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ص27۔

[11]۔ غماری، ابی الفضل عبداللہ بن صدیق، الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی، ص3۔

[12]۔ سیوطی، عبد الرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ص950۔

[13]۔ سورہ التوبہ:72

[14]۔ غماری، ابی الفضل عبداللہ بن صدیق، الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی، ص60۔

[15]۔ ایضاً، ص30/31/35/40/41/42/50/55/56 وغیرہ۔

[16]۔ ایضاً، ص52/60 وغیرہ۔

[17]۔ایضاً،ص 53۔

[18]۔ایضاًص 14۔

[19]۔غماری، ابی الفضل عبداللہ بن صدیق، الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی ص 38۔

[20]۔ایضاً، ص 61۔

[21]۔ذھبی، شمس الدین محمد بن احمد، ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل، مشمولہ۔اربع رسائل فی علوم الحدیث، محقق، عبدالفتاح ابوغدۃ، دارالبشائر: بیروت لبنان، الطبعۃالخامسۃ، 1990ء، ص 185

[22]۔سخاوی، محمد بن عبدالرحمن، المتکلمون فی الرجال، مشمولہ۔اربع رسائل فی علوم الحدیث، محقق، عبدالفتاح ابوغدۃ، دارالبشائر: بیروت لبنان، الطبعۃالخامسۃ، 1990ء ص 102

[23]۔سخاوی، محمد بن عبدالرحمن، المتکلمون فی الرجال، مشمولہ۔اربع رسائل فی علوم الحدیث، ص 100

[24]۔ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، لسان المیزان، محقق، عبدالفتاح ابوغدۃ، دارالبشائر: بیروت لبنان، 2004ء، جلداول، ص 191

[25]۔ذھبی، شمس الدین محمد بن احمد، الموقظہ فی علم مصطلح الحدیث، محقق، عبدالفتاح ابوغدۃ، مکتب المطبوعات السلامیۃ: حلب، صوریا، الطبعۃ الاولی، 1405ھ، ص 84

[26]۔ابن الصلاح، ابو عمر عثمان بن عبدالرحمن الشھرزوری، علوم الحدیث، تحقیق و شرح، نورالدین عتر، دارالفکر، دمشق سوریا، 1986ھ، ص 14۔

[27]۔نووی، محی الدین بن شرف، التقریب والتیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر، محقق و معلق، محمد عثمان الخشت، دارالکتاب العربی: بیروت، لبنان، الطبعۃالاولی 1985ء، ص 25۔

[28]۔سیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ومعہ حاشیہ احمد ابن العجمی، محقق، محمد عوامۃ، دارالیسر: مدینۃ المنورۃ، المملکۃالعربیۃالسودیۃ، الطبعۃالاولی، 2016ء، ج2، ص 202۔

[29]۔سیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ومعہ حاشیہ احمد ابن العجمی، ج2، ص 203۔

[30]۔سیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، ص 881، 883، 884 وغیرہ۔

[31]۔غماری، ابی الفضل عبداللہ بن صدیق، الاحسان فی تعقیب الاتقان للسیوطی، ص 4-5۔

[32]۔امام جلال الدین سیوطی کے صوفیانہ افکار (تفسیر الاکلیل کا اختصاصی مطالعہ) The Ṣufi Thoughts of Imam : Jalaluddin Suyuṭi: A Specified Study of Tafsir al-iklil. (2025). Tanazur, 6(2), 364-381

[33]۔یہ بات اس لئے بھی اہم ہے کہ محدثین کا طرزِ تصحیحِ روایات میں صوفیانہ منہج بھی شامل ہے جو کہ جداگانہ تحقیق کا موضوع ہے۔